تنقید غالب میں اقبال کا حصہ

صدیق جاوید

(۱)

غالب ان چند شخصیات میں سے ہیں جنھیں علامہ اقبال نے اپنی زندگی کے ہر دور میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اقبال نے غالب کو پبلک طور پر سب سے پہلا خراج تحسین ۱۹۰۱ء میں ایک اردو نظم کی صورت میں ادا کیا۔ یہ نظم 'مرزا غالب' کے عنوان سے، رسالہ مخزن لاہور کے شمارہ ستمبر ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ بانگ درا کی ترتیب اور اشاعت کے وقت اس نظم کو مجموعہ میں شامل کیا گیا۔ اور یہ اقبال کے پہلے اُردو مجموعہ کلام کی چوتھی نظم قرار پائی۔ مولانا غلام رسول مہر مطالب بانگ درا میں اس نظم کے تمہیدی نوٹ میں لکھتے ہیں:

"..... اس کا کوئی بند حذف نہ کیا گیا لیکن نظر ثانی میں بعض جگہ ترمیم کر دی گئی۔ اقبال نے ابتدائی دور میں جن شاعروں کے کلام سے بہ طور خاص استفادہ کیا۔ ان میں غالب سب سے پہلے آتا ہے اور یہ نظم اس کی بارگاہ میں ایک ایسا گراں بہا خراج ہے جو کوئی دوسرا شاعر پیش نہ کر سکا"[۱]۔

مولانا مہر کی رائے اس نظم کے بندوں کے بارے میں پوری سچائی کی حامل نہیں ہے۔ مخزن میں اس نظم کی طباعت کے مطابق دوسرے بند کی شکل یہ ہے:

۱۔ مطالب بانگ درا، غلام رسول مہر، کتاب منزل لاہور، اشاعت اول ص، ۸

معجزہ کلک تصور ہے و یا دیوان ہے یہ
یا کوئی تفسیر رمز فطرت انساں ہے یہ
نازش موسیٰ کلامی ہائے ہندوستاں ہے یہ
نور معنی سے دل افروز سخن داناں ہے یہ
نقش فریادی ہے تیری[1] شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

جب کہ بانگ درا کی اشاعت کے موقع پر مندرجہ بالا بند حذف کرکے درج ذیل نیا بند شامل کیا گیا ہے :

محفل ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کوہسار
تیرے فردوس تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اُگتے ہیں عالم سبزہ وار
زندگی مضمر ہے تیری شوخئی تحریر میں
تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں

اس نظم کے دو سال بعد، اقبال نے ایک مضمون میں غالب کو فارسی اور اُردو کے مستند اساتذۂ سخن کی صف میں شامل کیا ہے - اس مضمون کا پس منظر یہ ہے کہ اگست (۱۹۰۳ء) کے ''اُردوئے معلیٰ'' میں ایک مضمون ۔ ۔ ۔ ۔ ''اُردو زبان پنجاب میں'' کے عنوان کی ذیل میں ''تنقید ہمدرد'' کے قلم سے شائع ہوا[2] - اس میں اقبال اور ناظر کی

۱- یہ مصرعہ باقیات اقبال (بار دوم و سوم) اور سرود رفتہ (مرتبہ غلام رسول مہر و صادق دلاوری)، میں نقل کرتے وقت مرتبین سے غلطی سرزد ہو گئی ہے - باقیات (ص ۲۸۲) اور سرود رفتہ (ص ۹۵) کے مطابق مخزن میں زیر نظر مصرعہ یوں طبع ہوا تھا -

ع نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا

مخزن کے مطابق رخت سفر (جنوری ۱۹۵۲ء، ص ۸) اور کلیات اقبال مرتبہ مولوی محمد عبدالرزاق، حیدر آباد دکن (۱۳۴۳: ہجری، ص ۵۴)، میں زیر نظر مصرعہ میں 'کس کی' کے بجائے 'تیری' ہے -

۲- رسالہ مخزن لاہور، شمارہ ستمبر ۱۹۰۳ء، ص ۱۷

کی زبان پر ''تنقید ہمدرد'' نے بعض اعتراضات کیے تھے ۔ جن کا اسی عنوان کے تحت انبالہ سے پنجابی کے قلم سے مخزن ستمبر ۱۹۰۲ء میں جواب شائع ہوا ۔ اقبال نے بھی ایک مضمون میں متذکرہ عنوان کے تحت (رسالہ مخزن لاہور کے شمارہ اکتوبر ۱۹۰۳ء) ''تنقید ہمدرد'' کے اعتراضات کا جواب لکھا[1] ۔ اس مضمون میں لغت اور فن شعر کی کتابوں کے علاوہ

۱۔ اقبال کا محولہ بالا مضمون مندرجہ ذیل کتابوں میں مکرر شائع ہوا ہے مگر ان تینوں مجموعوں میں اس مضمون کی تاریخ اشاعت کا حوالہ یوں درج ہے ، (مخزن اکتوبر ۱۹۰۲ء) ، جو درست نہیں ہے ۔

۱۔ مضامین اقبال مرتبہ تصدق حسین تاج ، ۱۹۴۳ء

۲۔ مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی ۱۹۶۳ء

۳۔ مقالات اقبال (مع اضافے) مرتبہ سید عبدالواحد معینی اور محمد عبداللہ قریشی ۔ بار دوم ۱۹۸۲ء

اقبال پر کام کرنے والے اہل قلم کے پیش نظر عام طور پر پہلے دو مجموعے رہے ہیں ۔ وہ بہ وجوہ مخزن کے بجائے ان مجموعوں سے استناد کرنے ، حوالہ دینے اور استفادہ کرنے پر مجبور ہیں لہذا وہ زیر نظر مضمون کا حوالہ دیتے وقت مقالات اقبال کے مرتبین کی غلطی کا اعادہ کر جاتے ہیں ۔ مثال کے طور پر دیکھیے :

۱۔ سرگذشت اقبال مؤلفہ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید ، ص ۵۵

۲۔ دانائے راز ، سوانح حیات حکیم الامت حضرت علامہ اقبال ، از سید نذیر نیازی ، ص ۲۸۳ - ۲۸۲

۳۔ اقبال کا ذہنی ارتقاء مؤلفہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ، ص ۱۵

۴۔ اقبال کی اُردو نثر از ڈاکٹر عبادت بریلوی ، ص ۸۴

۵۔ کتابیات اقبال مرتبہ رفیع الدین ہاشمی ، ص ۲۴

۶۔ تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ، ص ۳۳۲ - ہاشمی صاحب کی یہ تالیف ان کے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے ۔ اس کتاب میں مقالات اقبال کا تنقیحی مطالعہ کرتے ہوئے بھی زیر نظر غلطی ان کی گرفت میں نہیں آئی دیکھیے کتاب ہذا ، ص ۳۴۸ - ۳۴۰)

کم و بیش چھبیس فارسی اور اُردو کے اساتذہ کے اشعار بطور سند پیش کیے گئے ہیں ۔ ان اساتذہ میں غالب بھی شامل ہے اور ان کے درج ذیل دو شعر اقبال نے سند کے طور پر پیش کیے ہیں اور دونوں مقام پر شاعر کا نام مرزا غالب علیہ الرحمۃ لکھا ہے :

بے در فروغی کہ چوں بر دمد زسیائے بے خوارہ نیر دمد[1]

کہاں گرمئی سعئی تلاش دید نہ پوچھ
بسان خار مرے آئنے سے جوہر کھینچ[2]

متذکرہ مضمون کے ڈیڑھ سال بعد رسالہ مخزن کا ''یادگار داغ'' نمبر اپریل ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا ۔ اس میں اقبال کی داغ پر نظم شامل ہے ۔ جس کا پہلا شعر درج ذیل ہے اور اس میں غالب کی عظمت کا ذکر ہے :

عظمت غالب ہے ، اک مدت سے پیوند زمیں
مہدیٔ مجروح ہے شہر خموشاں کا مکیں

○

اقبال کی مزار غالب پر حاضری ، ان کی زندگی کے مصدقہ اور ریکارڈ پر آنے والے واقعات میں سے ہے ۔ اقبال جب اعلیٰ تعلیم کے لیے عازم انگلستان ہوئے تو وہ بمبئی جاتے ہوئے ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء کو ایک دن کے لیے دہلی میں رکے اور اپنے احباب کے ہمراہ حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ پر گئے جہاں اقبال نے اپنی نظم ''التجائے مسافر'' حضرت محبوب الٰہی کے مزار مبارک کے سرہانے بیٹھ کر پڑھی[3] ۔ اقبال نے ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

بہر حال اس مضمون کی مصدقہ تاریخ اشاعت بمطابق مخزن ، اکتوبر ۱۹۰۳ء ہے ۔ مخزن کے علاوہ دیکھیے ۔ ذکر اقبال مؤلفہ مولانا عبدالمجید سالک ، ص ۲۸ ، زندہ رود حیات اقبال کا تشکیلی دور از ڈاکٹر جاوید اقبال ص ۹۶ ۔ مفکر پاکستان مؤلفہ محمد حنیف شاہد ، ص ۱۰۱ ۔

۱-۲- رسالہ مخزن ، شمارہ اکتوبر ۱۹۰۳ء ، ص ۳۴ ، ص ۳۶

۳- مطالعہ اقبال ، مرتبہ گوہر نوشاہی ، بزم اقبال لاہور ص ۴۷۲

کو عدن سے ایڈیٹر اخبار وطن لاہور کے نام اپنے مکتوب میں سفر کی روداد لکھتے ہوئے ایک جگہ تحریر کیا ہے۔

"۔۔۔ شام کے قریب ہم اس قبرستان (درگاہ) سے رخصت ہونے کو تھے کہ میر نیرنگ نے خواجہ صاحب (حسن نظامی) سے کہا کہ ذرا غالب مرحوم کے مزار کی زیارت بھی ہو جائے کہ شاعروں کا حج یہی ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب موصوف ہم کو قبرستان کے ایک ویران سے گوشے میں لے گئے جہاں وہ گنج معانی مدفون ہے۔ جس پر دہلی کی خاک ہمیشہ ناز کرے گی۔ حسن اتفاق سے اس وقت ہمارے ساتھ ایک نہایت خوش آواز لڑکا ولایت نام تھا۔ اس ظالم نے مرزا کے مزار کے قریب بیٹھ کر:

ع دل سے تیری نگاہ جگر تک اتر گئی

کچھ ایسی خوش الحانی سے گائی کہ سب کی سب طبیعتیں متاثر ہو گئیں بالخصوص جب اس نے یہ شعر پڑھا:

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آنکھیں پُر نم ہو گئیں اور بے اختیار لوح مزار کو بوسہ دے کر اس حسرت کدہ سے رخصت ہوا۔ یہ سماں اب تک ذہن میں ہے اور جب کبھی یاد آتا ہے تو دل کو تڑپا جاتا ہے۔[۱]

○

بیسویں صدی کی پہلی دہائی اقبال کی علمی، ذہنی اور فکری زندگی کا پختہ دور ہے۔ ان سالوں میں اقبال ایک بلند پایہ علمی شخصیت کا مقام اور مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس دہائی کے آخری سال (۱۹۱۰ء) کی ۲۷ اپریل کو اقبال نے اپنے بعض منتشر اور گریزاں، بلکہ گریزپا خیالات کو ایک نوٹ بک میں قلمبند کرنے کا سلسلہ شروع کیا جو چند

۱۔ مطالعہ اقبال ص ۳۷۴

مہینے جاری رہا ۔ ظاہر ہے یہ نوٹ بک[1] اقبال کے پرائیویٹ علمی اشاروں notes پر مشتمل ہے ۔ اس میں وہ ایک جگہ ہیگل ، گوئٹے ، ورڈز ورتھ اور بیدل کے ساتھ غالب سے استفادہ کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے ہیگل ، گوئٹے ، مرزا غالب ، عبدالقادر بیدل اور ورڈزورتھ سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے ۔ ۔ ۔ غالب نے مجھے یہ سکھایا کہ مغربی شاعری کی اقدار اپنے اندر سمو لینے کے باوجود اپنے جذبے اور اظہار میں مشرقیت کی روح کیسے زندہ رکھوں ۔ ۔ ۔''[2]

اس کے بعد اقبال کی مختلف شعری تصانیف میں ، مختلف صورتوں میں غالب کے حوالے نظر آتے ہیں مثلاً رموز بیخودی ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی ۔ اس کے درج ذیل شعر :

حرف چون طائر بہ پرواز آورد نغمہ را بے زخمہ از ساز آورد

کے حاشیہ میں اقبال نے ''مرزا غالب بہ تغیر الفاظ''[3] کا جملہ لکھا ہے ۔

○

پیام مشرق ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی ، اس کی فصل نقش فرنگ کے ذیلی باب صحبت رفتگاں (در عالم بالا) میں دنیا کے مختلف مشہور فلسفیوں شاعروں اور سیاستدانوں کے مکالمات پیش کیے گئے ہیں ۔ شعرا کے عنوان کی ذیل میں براوننگ ، بائرن ، غالب اور رومی کی زبانی ایک ایک شعر میں ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

یہاں غالب کہتے ہیں :

۱- یہ نوٹ بک ڈاکٹر جاوید اقبال نے جون ۱۹۶۱ء میں Stray Reflections کے نام سے شائع کرا دی اور اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر افتخار صدیقی نے ''شذرات فکر اقبال'' کے نام سے دسمبر ۱۹۷۳ء میں شائع کیا ۔

۲- شذرات فکر اقبال ۔ مرتبہ ڈاکٹر جاوید اقبال ، ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ۔ مجلس ترقی ادب لاہور ، طبع اول ۔ ص ، ۱۰۵

۳- اسرار و رموز ، بار پنجم ۱۹۵۹ء ، ص ۱۶۸

''تاباده تلخ تر شود و سینه ریش تر
بگدازم آبگینه و در ساغر افگنم''[1]

○

بانگ درا کی تاریخ اشاعت ۱۹۲۴ء ہے - اس میں مخزن ستمبر ۱۹۰۱ء میں شائع ہونے والی غالب پر نظم بعض تبدیلیوں کے ساتھ شامل ہے - داغ پر نظم بھی بانگ درا کے پہلے دور کا حصہ ہے اس کتاب کے آخر میں ظریفانہ کی سرخی کے تحت قطعات درج ہیں مندرجہ ذیل دو قطعات میں غالب کا تذکرہ دیکھیے :

''اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے''
غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکر غیر کیا ؟
کیوں اے جناب شیخ سنا آپ نے بھی کچھ
کہتے تھے کعبہ والوں سے کل اہل دیر کیا

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی دلوائیں گے کیا ؟
میرزا غالب خدا بخشے ، بجا فرما گئے
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں ، کھائیں گے کیا ؟

○

اقبال کی معرکۃ الآرا تصنیف جاوید نامہ فروری ۱۹۳۲ء میں پہلی بار شائع ہوئی - انہوں نے فلک مشتری پر ارواح جلیلہ 'حلاج و غالب و قرۃالعین طاہرہ کو سرگرم سیر دکھایا ہے یہاں زندہ رود کی غالب سے بھی ملاقات ہوتی ہے اور زندہ رود غالب بعض مسائل سے متعلق استفسار کرتا ہے اس جگہ ان مکالمات کی تشریح یا ان کا اندراج غیر ضروری ہے بہر حال اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اقبال اپنی زندگی کے آخری سالوں تک غالب کی عظمت کو خراج تحسین پیش کرتے رہے - علاوہ ازیں یہ بھی معلوم

۱- پیام مشرق طبع ہشتم ، ۱۹۵۴ ، ص ۲۵۲

ہوا ہے کہ اقبال سفر و حضر میں بالعموم دیوان غالب اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے ۔[1]

(۲)

کلام اقبال پر شعر غالب کے اثرات بڑے واضح اور نمایاں ہیں چنانچہ ۱۹۲۴ء میں بانگ درا شیخ عبدالقادر کے دیباچہ کے ساتھ شائع ہوئی ۔ اس دیباچہ کا آغاز ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے ۔

''کسے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تخیل اور نرالا انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے ۔ مگر زبان اردو کی خوش اقبالی دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا ۔ ۔ ۔''[2]

شیخ صاحب غالب اور اقبال کے تعلق سے اتنے مسحور ہیں کہ اگلے پیرے میں بھی یہ ذکر جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں :

''غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں ۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا ۔ اس نے ان کی روح کو عدم میں

۱۔ علامہ اقبال ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو بھوپال پہنچے ۔ علامہ اقبال کے قیام کا انتظام 'ریاض منزل' میں کیا گیا تھا ۔ سر راس مسعود کے پرسنل سیکرٹری ممنون حسین خاں بیان کرتے ہیں کہ : ''۔ ۔ ۔ (رات کے) کھانے کے بعد میں علامہ اقبال کا کمرہ دیکھنے گیا تو ۔ ۔ ۔ علامہ اقبال کے بستر پر دو کتابیں رکھی ہوئی تھیں ۔ ایک مثنوی مولانا روم اور دوسری دیوان غالب ، ملازم نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب سفر میں زیادہ تر ان کتابوں کو ساتھ رکھتے ہیں ۔''

''اقبال اور بھوپال'' مؤلفہ صہبا لکھنوی اقبال اکادمی پاکستان کراچی ۱۹۷۳ ص ۵۵ ۔

۲۔ دیباچہ بانگ درا شیخ عبدالقادر ، طبع ستمبر ۱۹۶۳ء ، ص ۵

جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسد خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے اور اس نے پنجاب کے ایک گوشہ میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں دوبارہ جنم لیا اور محمد اقبال نام پایا۔"[۱]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال کی اس نظم سے بہتر کوئی اور منظوم خراج غالب کی نذر نہیں ہوا۔ یہ نظم صرف اقبال کی غالب سے عقیدت ہی کی مظہر نہیں ہے بلکہ اقبال کے تنقیدی شعور کی آئینہ دار بھی ہے۔ اس نظم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال اپنی شاعرانہ زندگی کے آغاز میں بھی نہایت بالغ نظر اور پختہ تنقیدی رائے کے مالک تھے اگرچہ مرزا غالب پر اس نظم میں تنقید و تبصرہ علامہ کا مقصود نہ تھا۔ مگر اقبال نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے غالب کے کلام کی جن خصوصیات کی نشاندہی کی ہے۔ وہ اس نظم کے بعد پچھلے اسی برسوں میں شائع ہونے والے تحسین غالب پر مشتمل تنقیدی سرمائے کی بنیاد ہے۔ اس دعوے کے شواہد پیش کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کی اس نظم کی اشاعت ۱۹۰۱ء تک کلام غالب کی اشاعتی رفتار اور ان کے کلام کی شرحوں اور تبصرہ پر مبنی کتب کا ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے۔

اقبال غالب پر زیر نظر نظم کی تخلیق سے کتنا عرصہ قبل مرزا سے متعارف ہو چکے تھے۔ اس بارے میں کوئی حتمی بات کہنا مشکل ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اقبال کے سن شعور تک پہنچنے کے وقت تک غالب ہندوستان کے شعر و ادب میں ایک روایت کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ غالب کی مقبولیت کا اندازہ ان کے کلام کی اشاعت کی رفتار کے مندرجہ ذیل جائزہ سے ہو سکتا ہے۔

غالب کی اولین مطبوعہ کتاب ان کا دیوان اردو ہے جو پہلی بار مطبع سیدالاخبار سیدالمطابع، دہلی سے اکتوبر ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا۔[۲]

۱۔ دیباچہ بانگ درا شیخ عبدالقادر، طبع ستمبر ۱۹۶۳ء، ص ۵

۲۔ اشاریہ غالب، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، مطبوعات مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱ (علی الترتیب)

طبع دوم : مطبع دارالسلام ، (مطبع صادق الاخبار) حوض قاضی ، دہلی ، مئی ۱۸۴۷ء -[1]

طبع سوم : مطبع احمدی ، واقع شاہدرہ دہلی ، ۲۹ جولائی ۱۸۶۱ء -[2]

طبع چہارم : مطبع نظامی ، کانپور جون ۱۸۶۲ء -[3]

طبع پنجم : در ''نگارستان ِ سخن'' (مرتبہ ظہیر دہلوی) ۱۳ اگست ۱۸۶۳ء -

(۱) مطبع العلوم ، سینٹ سٹیفنز ، کالج دہلی -

(۲) مطبع احمدی واقع شاہدرہ ، دہلی -[4]

طبع ششم : مطبع مفید خلائق ، آگرہ ، ۱۸۶۳ء -[5]

غالب کے دیوان اول طبع اول ۱۸۴۱ء کے چار برس بعد غالب کا فارسی دیوان مطبع دارالسلام ، حوض قاضی دہلی ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا -[6] کلیات غالب (فارسی) طبع اول مطبع نول کشور لکھنؤ مئی ، جون ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا[7] - غالب کے انتقال کے بعد سے انیسویں صدی کے اختتام تک تیس برسوں میں بھی غالب کا اردو اور فارسی دیوان متعدد بار شائع ہوا دیوان حالی پہلی بار ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا جس میں ان کا مرثیہ غالب بھی شامل ہے - ''انیسویں صدی کی آخری دہائی میں غالب کے اردو دیوان کی دو شرحیں بھی شائع ہوئیں - مالک رام کے بقول :

''سب سے پہلی شرح ''وثوق صراحت'' کے نام سے ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں - - - چھپی تھی - یہ دراصل ان یاداشتوں پر مشتمل ہے جو مولوی عبدالعلی والہ دکنی نے اپنے تدریسی فرائض کے لیے اپنے نسخے پر لکھ رکھی تھیں - وہ نظام کالج میں بی - اے طلبہ کو غالب کا اردو دیوان پڑھاتے تھے - انہوں نے جن مقامات کو شرح طلب خیال کیا - اپنے نسخہ

---

۱ تا ۴- اشاریہ غالب ، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن ، مطبوعات مجلس یادگار غالب ، پنجاب یونیورسٹی لاہور ، ۱۹۶۹ء ص ۷۷ ، ۷۸ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۸۱ (علی الترتیب)

۵- ایضاً ص ۸۳ ۶-۷- ایضاً ص ۳۴ ، ۳۵

دیوان میں وہاں ان کے معنی اور اشارے درج کر دئے ۔ ممکن ہے ان کے ذہن میں یہ بات رہی ہو کہ بعد کو ان اشارات کو بڑھا کر شرح و بسط سے قلمبند کر لیں گے لیکن موت نے فرصت نہ دی اور ۱۳۱۱ھ یعنی ۱۸۹۳ء میں بعارضہ تپ دق ان کا انتقال ہو گیا ۔ اس کے بعد ان کے صاحبزادے محمد عبدالواحد نے یہی مختصر اشارات جمع کر کے "وثوق صراحت" کے تاریخی نام سے شائع کرا دیئے ۔ ۔ ۔"[1]

مالک رام مزید لکھتے ہیں کہ :

"صحیح معنوں میں سب سے پہلی شرح مولوی احمد حسن شوکت میرٹھی کی تھی جو اپنے آپ کو مجدد السنہ شرقیہ کہا کرتے تھے ۔ ۔ ۔"[2] یہ شرح حل کلیات اردو مرزا غالب دہلوی کے نام سے ۱۸۹۹ء میں شوکت المطابع ، میرٹھ سے شائع ہوئی بہرحال مطالعہ غالب کے سلسلہ کی قابل ذکر کتاب حالی کی یادگار غالب ہے جو ۱۸۹۷ء میں مطبع نامی کان پور سے شائع ہوئی ۔

(۳)

غالب کے حوالے سے یہ وہ پس منظر تھا جس میں اقبال نے ولادت سے لے کر بلوغت تک کے مراحل طے کیے ۔ اقبال کی ابتدائی تعلیم اور شعری و ادبی تربیت میں مولوی میر حسن کا بڑا ہاتھ ہے بقول سید عابد علی عابد ۔ ۔ ۔ "اس زمانے کے معمول کے مطابق شاہ صاحب (مولوی میر حسن) نے اقبال کو گلستان ، بوستان ، سکندر نامہ ، انوار سہیلی اور تصانیف ظہوری کا درس دینا شروع کیا[3] ۔ ۔ میر حسن شاہ نے ۔ ۔ ۔ رسمی انداز تدریس سے قطع نظر کر کے یہ کوشش کی کہ اقبال کے دل میں فارسی ادب کا احترام پیدا ہو جائے اور نتیجتاً اس ذوق سلیم کی تربیت ہو جس کے بغیر مطالعہ بالکل بیکار اور بے اثر ہوتا ہے[4] ۔ ۔ ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید میر حسن نے اقبال کو نثر ، نظم کے یہ شاہکار اس طرح

۱،۲- عیار غالب ، مالک رام ،دہلی ، ۱۹۶۹ء ص ۲۶۵

۳- شعر اقبال ، عابد علی عابد ، بزم اقبال لاہور ، ۱۹۵۹ء ، ص ۶۵

۴- ایضاً ص ۶۶

پڑھانے کہ ذہین طالب علم فارسی ادبیات کی عظمت کا معترف ہو گیا اور مزید مطالعہ کا شائق ۔ ۔ ۔ اس زمانے میں میر حسن نے نہ صرف اقبال کو فارسی ادبیات سے آگاہ کیا بلکہ عربی بھی پڑھائی اور ساتھ ہی مشرقی حکمت، تصوف اور فلسفہ کے رموز اس طرح ذہن نشین کیے کہ اسی زمانے میں اقبال کو اس سلسلے میں مزید جستجو اور تفحص کی چیٹک لگ گئی[1] عابد صاحب کے اس بیان سے یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ علامہ میر حسن نے اقبال کو فارسی نظم و نثر کے شاہکار کس عمر میں شروع کرائے اور کب یہ سلسلہ ختم ہوا ۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ عابد صاحب کی اس رائے کا ماخذ مستند ہے یا وہ اس زمانے کے عام طرز تدریس کے پیش نظر محض قیاس سے کام لے رہے ہیں ۔ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ اقبال میر حسن کے مشورے پر باقاعدہ سکاچ مشن سکول میں داخل ہوئے تھے ۔ اور مختلف مدارج طے کرتے ہوئے اقبال نے مڈل کا امتحان ۱۸۹۱ء میں پاس کیا ۔[2] بہرحال اقبال کی اس ذہنی استعداد اور علمی و ادبی شوق اور غالب کی عام مقبولیت کے پیش نظر باور کیا جا سکتا ہے کہ اقبال کو اسی زمانے میں کلام غالب سے واقفیت ہو چکی ہو گی ۔ اقبال کے سکول کے دنوں میں جو نصاب مروج تھا ۔ اس کا سراغ نہیں لگ سکا ۔ البتہ اقبال جب مڈل کے درجہ میں تھے تو اردو کی جو کتاب مڈل کے طلباء کی ضرورت کے پیش نظر مرتب کی گئی تھی اور قیاس ہے کہ عام سکولوں میں تجویز کی جاتی ہوگی ۔ اس میں دیگر اساتذہ کے ساتھ غالب کا کلام بھی شامل تھا ۔ پیسہ اخبار گوجرانوالہ کی ۲۱ فروری ۱۸۹۰ء کی اشاعت میں ہفتہ وار ڈاک کے کالم میں ''مڈل کورس اردو'' کے عنوان سے ایک مراسلہ نگار لکھتا ہے :

''اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ امتحان مڈل میں اردو کا مضمون دندان شکن آتا ہے اور سر رشتہ کی طرف سے کوئی کورس مقرر نہیں ۔ اس ضرورت کے رفع کرنے کے لیے مولوی محمد فیروز الدین صاحب فیروز ڈسکوی مدرس اول فارسی ایم بی ہائی سکول سیالکوٹ نے ایک ایسا مڈل کورس دو حصوں نظم و نثر میں تیار کیا ہے جو زبان دانی

۱۔ شعر اقبال ، عابد علی عابد ، بزم اقبال لاہور ، ۱۹۵۹ء ، ص ۶۵

۲۔ روزگار فقیر ، فقیر سید وحید الدین ، حصہ اول ، ص ۲۳۳

کے واسطے بھی اکسیر ہے اور تہذیب اخلاق کے لیے بھی کامل اسناد (استاد) ۔ صرف اخلاق یا طبعی یا علمی مضامین منتخب ہوئے ہیں ۔ ہر ایک حصہ ۲۰۰ صفحے پر ہے قیمت فی جلد ۸/- روپے، بیس جلدوں سے زیادہ کے خریدار کو ۲۵ فیصدی رعایت ہے ۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اس کورس کے ہوتے اور کسی اردو کتاب کی ضرورت نہیں ہے چنانچہ اس دفعہ مضمون سرما وغیرہ جو امتحان مڈل میں آئے اس میں موجود ہیں میں سر رشتہ تعلیم کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ وہ اس کورس کو مڈل کی پڑھائی میں داخل کر دے ۔

حصہ نظم : سودا ۔ میر ۔ درد ۔ سوز ۔ انشا ۔ ناسخ ۔ آتش ۔ مومن ۔ ذوق ۔ غالب ۔ امیر ۔ امانت ۔ نسیم ۔ ظفر ۔ آزاد ۔ حالی ۔ مرزا فیروز کے مؤلفات سے منتخب ہوا ہے ۔ شروع میں شعرا کا تذکرہ بھی ہے ۔ ماسٹر پیارے لال انسپکٹر حلقہ جالندھر اس حصے کی نسبت لکھتے ہیں کہ جس قدر میری نظر سے آج تک نظم کے کورس گزر چکے ہیں ۔ یہ ان سب میں عمدہ ہے ۔

حصہ نثر : آب حیات ۔ نیرنگ خیال ۔ آرائش محفل ۔ بہار بیخزاں ۔ صحیفہ فطرت ۔ مراۃ العروس ۔ بنات النعش ۔ توبۃ النصوح ۔ محصنات ۔ تہذیب الاخلاق ۔ فسانہ آزاد ۔ رسالہ دلگداز ۔ عام معلومن کو اس کا پڑھانا ضروری ہے ۔ راقم طالب علموں کا خیر خواہ ۔"[1]

مندرجہ بالا طویل اقتباس زمانہ طالب علمی میں اقبال کی غالب سے واقفیت کی سند کے طور پر پیش نہیں کیا گیا ۔ بہر حال اس سے قیاس کرنا غلط نہ ہو گا کہ اقبال سکول میں مڈل کے درجہ میں تھے تو وہ غالب سے واقف ہو چکے ہوں گے ۔ بعد کے شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو کے متقدمین و متاخرین اساتذہ میں غالب نے ہی اقبال کو متاثر کیا ۔ اقبال کے تعارف اور سوانح کے سلسلے میں اس وقت تک کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلا مضمون اقبال کے دوست شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن کا ہے جو رسالہ خدنگ نظر لکھنؤ کے شمارہ مئی ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا تھا اور عتیق صدیقی صاحب کی تلاش و جستجو کے نتیجہ میں دریافت ہوا ہے ۔

۱۔ گوجرانوالہ، پیسہ اخبار، بابت ۲۱ فروری ۱۸۹۰ء ص ۵

جسے انہوں نے اپنی کتاب ''اقبال جادوگر ہندی نژاد'' شائع کردہ مکتبہ جامعہ نئی دہلی میں بطور ضمیمہ شامل کیا ہے۔[1] اس میں ایک جگہ مولوی میر حسن اور اقبال کے حوالے سے شیخ عبدالقادر نے لکھا ہے:

''۔۔۔ مولوی صاحب کی یہ عادت ہے کہ اگر کسی شاگرد کو ہونہار دیکھیں تو اسے معمولی درس تعلیم تک محدود نہیں رہنے دیتے بلکہ خارج از وقت مدرسہ اسے بعض دلچسپ اور مفید کتابوں پر عبور کرا دیتے ہیں۔ پس جب سید میر حسن جیسے استاد کو اقبال سا شاگرد مل گیا تو انہوں نے کوئی دقیقہ ان جوہروں کو جلا دینے میں جو قدرت نے طبیعت میں امانت رکھے تھے اٹھا نہیں رکھا ۔۔۔ سید صاحب کو بے شمار اچھے اچھے شعر اساتذہ کے زبانی یاد ہیں۔ جو شعر وہ پڑھتے اقبال اسے لکھ لیتا اور یاد کر لیتا۔ دیوان غالب سبقاً ان سے پڑھا اور ناصر علی سرہندی کے دلآویز فارسی شعر بھی اس زمانے میں نظر سے گزرے۔''[2]

شیخ صاحب کے مضمون سے مولوی میر حسن سے اقبال کے سبقاً دیوان غالب پڑھنے کے زمانے کا قطعی تعین تو نہیں ہوتا۔ تاہم اسے قیاساً اقبال کے انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے گرد و پیش کا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات اہم ہے کہ شیخ عبدالقادر کے بیان کو اقبال کی بالواسطہ تائید حاصل ہے۔ کیونکہ یہ مضمون یقیناً اقبال کی نظر سے گزرا ہوگا۔

اقبال سکاچ مشن کالج سیالکوٹ سے انٹرمیڈیٹ پاس کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج میں بی۔ اے کی کلاس میں داخلہ لے لیا۔ اقبال، کالج ہوسٹل میں مقیم رہے۔ یہاں ان کی غلام بھیک نیرنگ سے ملاقات ہوئی جو آخر دم تک قائم رہی۔ نیرنگ بورڈنگ

۱۔ اس مضمون کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر اوریئنٹل کالج میگزین لاہور شمارہ مسلسل ۲۲۵ (اقبال نمبر) میں زیر نظر مضمون کی مکرر اشاعت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۲۔ اقبال جادو گر ہندی نژاد، عتیق صدیقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔ ۱۹۸۰ء ص ۱۲۹، ۱۳۰

ہاؤس میں علامہ اقبال کے اشغال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"۔۔۔ میں اس بورڈنگ ہاؤس میں چار سال رہا ۔ ان میں سے تین سال ایسے تھے کہ اقبال بھی اس بورڈنگ ہاؤس میں مقیم تھے ۔۔۔ ان سہ سالہ صحبتوں میں خاص بات کیا تھی ؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم کو اس وقت اتنا شعور ہی نہ تھا کہ اس زمانے کے اقبال میں زمانۂ مابعد کے اقبال کو دیکھ لیتے ۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ایک ذہین طالب علم جس نے شاعرانہ طبیعت پائی ہے ، اس کو مرزا غالب کی شاعری سے خاص ذوق بھی ہے اور غالب کے اسلوب بیان کی تقلید کا شوق بھی ۔ وہ اگر شعر کا شغل کرتا رہا تو غالب کا سا لکھنے لگے گا ۔ اور بہر حال اسی قسم اور اسی معیار کا ایک بن جائے گا ۔ جیسے ہمارے یہاں کے شاعر ہوتے ہیں"[1]

(۴)

اقبال کی غالب سے اس دلچسپی کے پیش نظر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اقبال نے حالی کی یادگار غالب (جو ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی تھی) کا ، اس کتاب کی تاریخ اشاعت کے قریبی زمانے میں مطالعہ بھی ضرور کیا ہو گا ۔ مولانا حالی کی تحسین غالب سے اقبال نے کیا اثرات قبول کئے ۔ اس کے مفصل ٹھوس اور خارجی شواہد تو موجود نہیں ہیں ۔ البتہ ان کا سراغ اقبال کی غالب پر لکھی گئی نظم سے لگایا جا سکتا ہے ۔

مولانا حالی نے یادگار غالب میں "مرزا غالب کے کلام پر ریویو" کے باب میں جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے ۔ انہیں اجمالاً تخیل کی بلند پروازی ، ظرافت ، اخلاق ، تصوف ، عاشقانہ مضامین ، شوخی ، حسن بیان اور جدت و ندرت سے موسوم کیا جا سکتا ہے ۔ اس ضمن میں یادگار غالب کے درج ذیل اقتباسات توجہ طلب ہیں ۔

"مرزا چونکہ معمولی اسلوبوں سے تابہ مقدور بچتے تھے اور شارع عام پر چلنا نہیں چاہتے تھے اس لیے وہ بہ نسبت اس کے کہ شعر عام فہم ہو جائے اس بات کو زیادہ پسند کرتے تھے کہ طرز خیال اور طرز بیان میں جدت اور نرالا پن پایا جائے ۔

۱۔ مطالعہ اقبال ، مرتبہ گوہر نوشاہی ، بزم اقبال لاہور ، ۱۹۷۱ء ص ۲۳ ، ۲۴

مرزا کے ابتدائی کلام کو مہمل و بے معنی کہو یا اس کو اردو زبان کے دائرے سے خارج سمجھو ، مگر اس میں شک نہیں کہ اس سے ان کی ارجنٹیلسٹی اور معمولی اپج کا خاطر خواہ سراغ ملتا ہے ۔[1]

"گو ان کا ابتدائی کلام جس کو وہ حد سے زیادہ جگر کاوی اور دماغ سوزی سے سر انجام کرتے تھے ، مقبول نہ ہوا ، مگر چونکہ قوت متخیلہ سے بہت زیادہ کام لیا گیا تھا اور اس لیے اس میں ایک غیر معمولی بلند پروازی پیدا ہو گئی تھی ، جب قوت ممیزہ نے اس کی باگ اپنے قبضے میں لی تو اس نے وہ جوہر نکالے جو کسی کے وہم و گمان میں نہ تھے ۔[2]

وہ فارسی نثر میں اور اکثر فارسی خطوط جن میں قوت متخیلہ کا عمل اور شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسی قدر غالب معلوم ہوتا ہے ، نہایت کاوش سے لکھتے تھے ۔[3]

" ۔ ۔ ۔ اور قوت متخیلہ جو شاعری اور ظرافت کی خلاق ہے اس کو مرزا کے دماغ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو قوت پرواز کو طائر کے ساتھ[4] ۔ دیکھئے اقبال نے بھی زیر تبصرہ نظم میں غالب کے تخیل کی بلند پروازی کا مضمون باندھا ہے ۔

فکر انسان پر تیری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغ تخیل کی رسائی تا کجا

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مخزن میں اس شعر کا دوسرا مصرعہ حسب ذیل لفظوں میں شائع ہوا تھا :

ع ہے پر مرغ تصور کی رسائی تا کجا

اگرچہ لفظ تصور کو تخیل سے بدلنے کے باوجود اصل مضمون برقرار رہتا ہے مگر اس سے حسن بیان میں اضافہ ہو گیا ہے جس سے محسوس ہوتا کہ شعر کی معنوی سطح متاثر ہوئی ہے ۔

۱۔ یادگار غالب ، حالی ، مجلس ترقی ادب لاہور ۔ ص ۱۶۳
۲۔ ایضاً ص ۱۶۶ ؛ ۳۔ ایضاً ص ۲۴۷
۴۔ ایضاً ص ۲۵۰

''چونکہ فارسی زبان سے ملک میں عموماً اجنبیت ہو گئی ہے اس لیے (ہم سے اگر کچھ ہو سکتا ہے تو صرف اس قدر ہو سکتا ہے کہ) جہاں ضرورت دیکھیں ، مرزا کے کلام کی شرح بھی کرتے جائیں ۔ اس سے شاید یہ فائدہ ہو کہ مرزا کی قوت متخیلہ میں جو غیر معمولی اپچ اور پرواز قدرت نے ودیعت کی تھی ، سمجھ دار آدمی اس کا کسی قدر اندازہ کر سکیں لیکن زبان اور بیان کی خوبی جو ایک وجدانی چیز ہے اور جس کے نقاد اور جوہری ملک میں کمیاب بلکہ نایاب ہیں ، اس کی نسبت صرف مرزا کا یہ فصیح و بلیغ شعر لکھ دینا کافی معلوم ہوتا ہے :

بیاورید گر این جا بود زبان دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد[1]

''ہم اس مقام پر ان کی غزلیات میں سے زیادہ تر صاف صاف اور کسی قدر وہ اشعار بھی نقل کریں گے جن کے بغیر مرزا کی طرز تخیل اور ان کے شعر کی خصوصیت ظاہر نہیں ہو سکتی'' ۔[2]

''میر و سودا اور ان کے مقلدین نے اپنی غزل کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ جو عاشقانہ مضامین صدیوں اور قرنوں سے اولاً فارسی اور اس کے بعد اردو غزل میں بندھتے چلے آتے ہیں وہی مضامین بہ تبدیل الفاظ اور بہ تغیر اسالیب بیان عام اہل زبان کی معمولی بول چال اور روز مرہ میں ادا کئے جائیں ، چنانچہ میر سے لے کر ذوق تک جتنے مشہور غزل گو مرزا کے سوا اہل زبان میں گزرے ہیں ، ان کی غزل میں ایسے مضامین بہت ہی کم نکلیں گے جو اس محدود دائرے سے خارج ہوں ۔ ان کی بڑی کوشش یہ ہوتی تھی کہ جو مضامین (مضمون) پہلے متعدد طور پر بندھ چکا ہے ، وہی مضمون ایسے بلیغ اسلوب میں ادا کیا جائے کہ تمام اگلی بندشوں سے سبقت لے جائے ۔ بر خلاف اس کے مرزا نے اپنی غزل کی عمارت دوسری بنیاد پر قائم کی ہے ان کی غزل میں زیادہ تر ایسے اچھوتے مضامین پائے جاتے ہیں جن کو اور شعراء کی فکر نے بالکل مس نہیں کیا اور معمولی مضامین ایسے طریقے میں ادا کئے گئے ہیں جو سب سے نرالا

۱۔ یادگار غالب ، حالی ، مجلس ترقی ادب لاہور ۔ ص ۲۷۶
۲۔ ایضاً ص ۲۸۷

ہے اور ان میں ایسی نزاکتیں رکھی ہیں جن سے اکثر اساتذہ کا کلام خالی معلوم ہوتا ہے"[1] ۔

"تنقید غالب کے سو سال" کے دیباچہ میں سید فیاض محمود لکھتے ہیں :

" . . . . اس کتاب کے مرتب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان سینکڑوں کتب اور مقالات میں سے ایسی نگارشات کا انتخاب کیا جائے ، جن سے قارئین کو یہ معلوم ہو سکے کہ غالب شناسی کن کن مدارج سے گذری . . .

جب اس وسیع مواد کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ پہلی مقتدر کتاب جس میں مرزا کے کلام سے ناقدانہ انداز میں بحث کی گئی ہے ۔ آب حیات ہے جو ۱۸۸۰ء میں طبع ہوئی ۔ مگر مولانا محمد حسین آزاد کا انداز نقد و نظر تعصب سے خالی نہ تھا اور جو طنز آمیز اسلوب انہوں نے مرزا کے متعلق اختیار کیا اس سے نہ تو مرزا کی شخصیت اور نہ ہی ان کی شاعری کی خصوصیات اجاگر ہوئیں ۔ اس کے سترہ سال بعد یعنی ۱۸۹۷ء میں یادگار غالب طبع ہوئی ۔ اس میں مرزا کی شخصیت اور شاعری پر سیر حاصل بحث موجود ہے ۔ اس کے پندرہ سال بعد یعنی ۱۹۱۲ء میں صلاح الدین خدا بخش کا مضمون انگریزی زبان میں شائع ہوا ۔ محاسن کلام غالب کا سال اشاعت ۱۹۲۱ء ہے اور ڈاکٹر عبداللطیف کی انگریزی میں غالب پر کتاب ۱۹۲۸ء میں چھپی ۔ مگر غالب شناسی کا نیا دور در اصل شیخ محمد اکرام صاحب کی کتاب "غالب نامہ" مطبوعہ ۱۹۳۶ء سے شروع ہوتا ہے ۔ اس کے بعد تنقیدات غالب میں تیزی سے اضافہ ہوا ۔ جو اب تک جاری ہے ۔ اگر ۱۸۶۹ء سے ۱۸۹۷ء تک کی مدت کو پہلا دور تصور کیا جائے تو ۱۹۲۵ء کو دوسرے دور کی حد فاصل قرار دینا مناسب ہو گا ۔ تیسرا دور ۱۹۳۶ء تا حال کا ہے ۔ اس میں غالب شناسی بہت سے مراحل سے گزری ہے اور غالب کے کلام اور فن پر بہت سے تنقیدی زاویوں سے بڑے بڑے فضلا نے بحث کی ہے"[2] ۔

۱۔ یادگار غالب ، حالی ، مجلس ترقی ادب لاہور ۔ ص ۱۶۸ ، ۱۶۹

۲۔ دیباچہ ، تنقید غالب کے سو سال ، سید فیاض محمود ، مطبوعات یادگار غالب ، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۶۹ء ص ۱۸ ، ۱۹

(۵)

سید فیاض محمود کے اقتباس سے ظاہر ہے کہ یادگار غالب (۱۸۹۷ء) کے بعد ۱۹۱۲ء تک کلام غالب پر کوئی تنقیدی کتاب یا مضمون معرض تحریر میں نہیں آیا ۔ علامہ اقبال کی نظم ستمبر ۱۹۰۱ء کے مخزن میں پہلی بار شائع ہوئی تھی ۔ غالب اور اقبال کے سلسلے میں بعض ناقدین نے اقبال پر غالب کے فیضان اور ادبی اثرات کا جائزہ لیا ہے لیکن یہ بات ہمارے موضوع سے خارج ہے کہ اقبال غالب سے نفس مضمون اور زبان و بیان کے کن اسالیب اور پہلوؤں سے متاثر ہوئے اور غالب کو ایک معیار قرار دے کر اپنے شعری اسلوب کی تخلیق میں کیا مدد لی ؟ البتہ اس مضمون میں راقم الحروف کا موقف یہ ہے کہ اقبال نے مرزا غالب پر نظم لکھ کر غالب کی جن شعری خصوصیات کی نشاندہی کی ہے وہ غالب کے کلام کی تحسین اور تنقید کے سلسلے میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ اور بعد کے ناقدین غالب نے انہی خصوصیات کو بالصراحت اپنے تنقیدی مقالوں میں پیش کیا ہے ۔ غالب کے فکر و فن پر مشتمل کتب اور مضامین کے مجموعی مطالعہ کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے ۔ کہ فکر و فن غالب پر شائع ہونے والی تحریروں میں تفصیلاً جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اقبال کی نظم میں مجملاً بیان ہو گیا ہے ۔ نیز یہ کہ اقبال کی اس نظم سے ان کی تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے ۔ حالی کا ذوق ، مشرقی شعری روایات کا مرہون منت ہے ۔ ان کے ہاں تنقیدی اصول انگریزی انتقادیات سے بالواسطہ اخذ کئے ہیں ۔ اب اقبال کی خلقی استعداد اور اخاذ قوت ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کرنے ضروری نہیں رہے کیونکہ یہ معلوم واقعہ ہے کہ اقبال نے انگریزی زبان و ادب کا مطالعہ درجہ بہ درجہ ، ماہر اور قابل اساتذہ کی راہنمائی میں مکمل کیا تھا ۔ نصاب سے باہر اپنے فطری ذوق کی تسکین کے لیے انہوں نے جو ذاتی مطالعہ کیا وہ اس پر مستزاد ہے ۔ اس کے نتیجہ میں شاعری کے مختلف عناصر ترکیبی کی اہمیت ان پر واضح ہوئی ۔ غالب پر ان کی نظم دیکھ کر پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر علامہ اپنی تمام تر توجہ شاعری پر مرکوز نہ کر دیتے تو وہ شعر و ادب کے ایک بالغ نظر نقاد ہوتے ۔ اقبال نے مرزا غالب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کلام غالب کی جن معنوی

خوبیوں اور فنی محاسن پر روشنی ڈالی ہے ۔ انہیں ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت اقبال کی نظم کے شعروں اور مصرعوں کے حوالے سے کسی تبصرہ کے بغیر مرتب کیا جا رہا ہے ۔ تاہم نظم کے متن میں نظر ثانی کی بنا پر جہاں کہیں فرق واقع ہوا ہے ۔ وہاں مخزن اور بانگ درا کے تقابلی متن درج کر دئے گئے ہیں ۔ اب اقبال کی نظم کی روشنی میں غالب کے کلام کی خصوصیات ملاحظہ کیجیے ۔

۱۔ تخیل کی بلند پروازی

فکر انساں کو تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغ تصور کی رسائی تا کجا

(مخزن ستمبر ۱۹۰۱)

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغ تخیل کی رسائی تا کجا

(بانگ درا)

۲۔ وحدت الوجود کا نظریہ

دید تیری آنکھ کو اُس حسن کی منظور ہے
صورت روح رواں[1] ہر شے میں جو مستور ہے

(مخزن ستمبر ۱۹۰۱ء ص ۳۹)

اصلاح اور ترمیم کے بعد بانگ درا میں دوسرا مصرعہ یوں ہے :

بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

۱۔ سرود رفتہ مرتبہ غلام رسول مہر و صادق علی دلاوری میں یہ مصرعہ یوں چھپا ہے ۔

صورت روح و رواں ہر شے میں جو مستور ہے

(سرود رفتہ ص ۹۵)

۳- فلسفیانہ پہلو

تیری کشتِ فکر سے اُگتے ہیں عالم سبزہ وار
(بانگ درا)

۴- نفسیاتی پہلو

معجز کلک تصور ہے و یا دیواں ہے یہ
یا کوئی تفسیر رمز فطرت انساں ہے یہ
(مخزن)

۵- ندرت بیان/منفرد اسلوب

شاہدِ مضموں تصدق ہے ترے انداز پر
(مخزن اور بانگ درا)

۶- فصاحت و بلاغت

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
(مخزن اور بانگ درا)

۷- ژرف نگاہی

آہ! اے نظارہ آموزِ نگاہ نکتہ بیں
(مخزن اور بانگ درا)

۸- معنی آفرینی : مخزن میں شائع شدہ جو بند حذف کر دیا گیا تھا ۔ اس کے درج ذیل ایک مصرعہ میں دیوان غالب کی زیر نظر خصوصیت بیان ہوئی ہے -

نور معنی سے دل افروز سخن داناں ہے یہ

۹- مضمون آفرینی

تیرے فردوس تخیل سے ہے قدرت کی بہار
(بانگ درا)

۱۰- زندگی کی ترجمانی

نقش فریادی ہے تیری شوخئی تحریر کا (مخزن)
زندگی مضمر ہے تیری شوخئی تحریر میں (بانگ درا)

۱۰- اظہار پر قدرت

"کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا" (مخزن)

تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں (بانگ درا)

۱۲- فکر و تخیل میں ہم آہنگی

لطف گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تخیل کا نہ جب تک فکر کامل ہم نشیں

مخزن میں اس شعر کا دوسرا مصرعہ یوں چھپا تھا :

ہو تصور کا نہ جب تک فکر کامل ہم نشیں

۱۳- نغمگی یا موسیقیت : مخزن میں طبع ہونے والی نظم میں اس خصوصیت کا حامل کوئی شعر یا مصرعہ نہیں ۔ معلوم ہوتا ہے یہ خصوصیت نظر ثانی کے وقت اقبال کے لیے جاذب توجہ بنی - خصوصاً درج ذیل شعر میں تشبیہ نے معنویت میں زیادہ زور پیدا کر دیا ہے ۔

محفل ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کوہسار

۱۴- حافظ و سعدی سے مقابلہ

خندہ زن ہے غنچۂ دلی گل شیراز پر
(مخزن ۔ بانگ درا)

۱۵- گوئٹے اور غالب کا معنوی اشتراک

آہ ! تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

۱۶- غالب کی عظمت

اے جہاں آباد ! اے گہوارۂ علم و ہنر
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در

ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر
دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے ؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے ؟

اس بند کے دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ کی مخزن میں اشاعت کے وقت شکل یہ تھی :

تیرے ہر ذرہ میں خوابیدہ ہیں شمس و قمر

(۶)

پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے اپنے مضمون ''غالب اور اقبال'' میں زیر نظر نظم کے چار اشعار (۱ - فکر انساں پر .... ۲- تیرے فردوس تخیل سے .... ۳- نطق کو سو ناز ہیں .... ۴- لطف گویائی میں تیری ہم سری ....) کے حوالے سے لکھا ہے :

''ان اشعار میں غالب کے کمال سخن کے عناصر اربعہ پر زور دیا گیا ہے یعنی تخیل ، فکر ، نطق اور رفعت پرواز . . . ایک ابتدائی نظم کی محدود بساط میں اقبال نے غالب کے نمایاں شعری کردار کا جس جامعیت اور ایجاز کے ساتھ احاطہ کیا ہے وہ خود اقبال کے ذہنی عمل کی غمازی کرتا ہے''[۱]

مزید برآں اس نظم سے اقبال کے نظریۂ شعر کے ابتدائی نقوش سامنے آتے ہیں ۔ نظم کے مطالعہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اقبال ادب کے ایک ایسے سنجیدہ ، زیرک اور ذہین طالب علم تھے جو مطالعہ کے نتیجہ میں اپنی رائے مرتب کرتا ہے گویا اقبال کے نظریہ شعر کی اساس ۱۹۰۱ء میں متعین ہو چکی تھی ۔ مختصر یہ کہ یہ نظم محض رسمی خراج تحسین ہے نہ اس کی نوعیت صرف تاثراتی ہے ۔ بلکہ اس میں علمی اور تنقیدی اصولوں کی روشنی میں خصوصیات کلام غالب کا بیان ہوا ہے ۔ کیا تنقید کے لیے نثر کو ذریعہ بنانا ضروری ہے ؟ یہ ایک الگ سوال ہے آپ اس پر غور کر سکتے ہیں ۔

۱- نقش غالب ، اسلوب احمد انصاری ، غالب اکیڈمی نئی دہلی اشاعت اول اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۵۷ یا نقش اقبال ، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ص ۱۴۹، ۱۵۰

اقبال اور حیدر آباد

تالیف

نظر حیدر آبادی

اقبال پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھا جاتا رہے گا۔ اقبال کے بعض پہلوؤں پر خاطر خواہ روشنی ڈالی جا چکی ہے، مگر ایسے پہلو بھی ہیں جو ابھی لکھنے والوں کی توجہ کا مرکز نہیں بن پائے ہیں۔ نظر حیدر آبادی کی تالیف ''اقبال اور حیدر آباد'' ایک ایسے ہی پہلو سے تعلق رکھتی ہے۔

حیدر آباد دکن عام شہروں کی طرح ایک شہر نہیں تھا۔ وہ ایک ایسا ثقافتی مرکز تھا جو نہ صرف دکن کے بسنے والوں کے لیے بلکہ جملہ مسلمانانِ ہند و پاک کے لیے ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ حیدر آباد سے اقبال کے تعلق کو اُجاگر کر کے جناب نظر حیدر آبادی نے ایک اہم ادبی اور تاریخی خدمت انجام دی ہے اور اقبالیات میں ایک گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

صفحات : ۲۳۲ قیمت : ۲۱ روپے

اقبال اکادمی پاکستان

۱۱۶ - میکلوڈ روڈ، لاہور